اسلام اور رہبانیت

مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

نجات وفلاح کے سلسلہ میں مذاہب کا عام رجحان یہ ہے کہ اس دنیا سے منہ موڑ کر کامل یکسوئی اور تنہائی اختیار کی جائے اور دنیا اور اس کی تمام لذات' خواہشات اور نعمتوں سے اپنے آپ کو بچاتے ہوئے جنگل' پہاڑوں اور غاروں میں زندگی گزاری جائے۔

ہندوستانی مذاہب میں جین دھرم بھی اس کا قائل ہے۔ اس کے سب سے بڑے پیشوا سوامی مہابیر نے ترک دنیا کی زندگی اختیار کی۔ اور اس دنیا سے اس قدر کنارہ کش رہے کہ انہیں لباس دنیا کا ایک تار بھی اپنے جسم پر گوارا نہ ہوا۔ وہ بالکل برہنہ رہتے تھے۔ اسی لیے آج بھی ان کے ماننے والے وہ لوگ جو عبادت و بندگی کے اعلیٰ مقام پر اپنے کو فائز دیکھنا چاہتے ہیں، سوامی مہابیر کی پیروی میں بالکل برہنہ رہنا

اپنے لیے ضروری سمجھتے ہیں اور دنیا کا ساز و سامان بھی اپنے ساتھ نہیں رکھتے۔

اسی طرح بدھ دھرم کے نزدیک بھی نجات اور کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ دنیا و مافیہا سے انسان اپنے تعلقات ختم کردے۔ چنانچہ اس دھرم کے بانی مہاتما بدھ نے اپنے والدین، بیوی بچے اور جاہ و سلطنت کو خیرباد کہہ کر ترک دنیا کی زندگی اختیار کی اور اسی کو نجات کا ذریعہ قرار دیا۔ خود ہندو دھرم میں سفر حیات کے جو منازل بیان ہوئے ہیں ان میں پہلی منزل طالب علمی کی ہے، دوسری خانہ داری کی اور اس کے بعد عزلت گزینی کی منزل آتی ہے اور سب سے آخر میں وہ مرحلہ آتا ہے جب کہ آدمی بالکل سنیاس اختیار کرلیتا ہے۔ منوسمرتی میں ہے کہ جب خانہ دار کے سر کے بال سفید ہو جائیں اور جلد میں جھریاں نظر آنے لگیں اور اس کا بیٹا صاحب اولاد ہو جائے تب اسے چاہیے کہ جنگل میں جا بسے اور ہر طرح کی شہری خوارک 'پوشاک اور تمام نفیس اشیاء ترک کردے اور بیوی کو اپنی اولاد کے پاس چھوڑ دے۔ اس کی بھی گنجائش ہے کہ اس کی بیوی اس کے ساتھ جنگل میں ترک دنیا کی زندگی بسر کرے۔ لیکن یہ وان پرستھ آشرم میں ہے۔ سنیاس کی زندگی میں بیوی کے ساتھ رہنے اور کسی طرح کے دنیوی علاقے رکھنے کی گنجائش نہیں ہے۔

اگر کوئی متقی و پرہیزگار شخص طالب علمی کے بعد ہی براہ راست درویشی اختیار کرلے اور امور خانہ داری میں گرفتار نہ ہو تو اس کی بھی پوری گنجائش ہے بلکہ بعض صورتوں میں یہ مستحسن بھی ہے۔

لیکن اسلام نجات اخروی کی راہ میں دنیا میں رہنے اور اس کی نعمتوں سے مستفید ہونے کو کوئی رکاوٹ نہیں سمجھتا بلکہ اسلام تو آیا ہی اس لیے ہے کہ وہ انسان کو

دنیا میں رہنا سکھائے۔ وہ تو اپنے اصولوں کے تحت نظام حکومت چلانے کو بھی ایک بڑی نیکی اور اخروی نجات کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔ صیح بخاری اور صیح مسلم کی مشہور ترین روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"سات لوگ ہیں جنہیں اللہ آخرت میں اپنے سایہ رحمت میں جگہ دے گا' جبکہ اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔"

پھر آپ نے ان سات لوگوں کو بیان کرتے ہوئے سب سے پہلے فرمایا:

"عادل فرمانروا"

اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے جو زندگی کے سبھی شعبوں میں انسان کی رہنمائی کرتا ہے اس لیے اس کی تعلیمات ان ہی لوگوں کے لئے ہیں جو اس دنیا میں رہتے اور دنیا کے انتظام کو چلاتے ہیں نہ کہ ان لوگوں کے لیے جو دنیا سے کنارہ کش ہو کر جنگلوں، پہاڑوں اور خانقاہوں کی راہ لیتے ہیں۔ اخلاق و کردار کی جو بلندیاں اور اوصاف دنیا خانقاہوں اور راہب خانوں میں تلاش کرتی ہے اسلام ان کو زندگی کی بھر پور مصروفیات اور سرگرمیوں میں پیدا کرنا چاہتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ دنیا کے سارے ہی لوگ خواہ وہ کسی بھی شعبہ سے متعلق ہوں اپنے اندر مطلوبہ اوصاف پیدا کریں اور اخلاقی خوبیوں سے آراستہ ہوں۔

اسلام کے نزدیک ترک دنیا اور رہبانیت خلاف حق اور فساد و بگاڑ کا باعث ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں عیسائیوں کے یہاں رائج رہبانیت کا ابطال کرتے ہوئے اسے غیر فطری اور ناپسندیدہ طریقہ بتایا گیا ہے۔

قرآن پاک میں ہے:

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحاً وَّاِبْرَاهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ج وَّ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۵ لا وَجَعَلْنَا فِیْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ط وَّرَهْبَانِيَّةَ نِ ابْتَدَعُوْهَا مَاكَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ج فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ج وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ (الحدید ٢٣. ٢٧)

(ہم نے نوح اور ابراہیم کو بھیجا اور ان دونوں کی نسل میں نبوت اور کتاب رکھ دی پھر ان کی اولاد میں سے کسی نے ہدایت اختیار کی اور بہت سے نافرمان ہو گئے۔ ان کے بعد ہم نے پے در پے اپنے رسول بھیجے اور ان سب کے بعد عیسیٰ ابن مریم کو مبعوث کیا اور اس کو انجیل عطا کی اور جن لوگوں نے اس کی پیروی اختیار کی ان کے دلوں میں ہم نے شفقت اور رحم ڈال دیا۔ اور رہبانیت انھوں نے خود ایجاد کر لی اسے ان پر فرض نہیں کیا تھا'۔ ہم نے تو ان پر اللہ کی رضاجوئی فرض کی تھی'۔ انہوں نے رہبانیت کا جو حق تھا اسے بھی ادا نہ کیا۔ ان میں سے جو لوگ ایمان لائے ہوئے تھے ان کا اجر ہم نے ان کو عطا کیا مگر ان میں سے اکثر لوگ نافرمان ہیں۔)

پیش لفظ

اس آیت میں "رہبانیت" کا لفظ آیا ہے۔ اس لفظ کی تشریح اور پوری آیت کی تفسیر دور حاضر کے عظیم اسلامی مفکر اور مفسر قرآن مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اپنی مشہور تفسیر تفہیم القرآن جلد پنجم میں کی ہے۔ لفظ "رہبانیت" کی تشریح میں مولانا نے لکھا ہے کہ اس کا مادہ رہب ہے جس کے معنی خوف کے ہیں۔

"رہبانیت کا مطلب ہے مسلک خوف زدگی، اور رُہبانیت کے معنی ہیں مسلک خوف زدگان ۔ اصطلاحاً اس سے مراد ہے کسی شخص کا خوف کی بنا پر قطع نظر اس سے کہ وہ کسی کے ظلم کا خوف ہو، یا دنیا کے فتنوں کا خوف، یا اپنے نفس کی کمزوریوں کا خوف) تارک الدنیا بن جانا اور دینوی زندگی سے بھاگ کر جنگلوں اور پہاڑوں میں پناہ لینا یا گوشہائے عزلت میں جا بیٹھنا"

اس آیت کی روشنی میں مولانا نے لکھا ہے کہ عیسائیوں پر اللہ نے رہبانیت کو فرض نہیں کیا تھا بلکہ انھوں نے خود اپنی طرف سے گڑھ لیا تھا اس آیت کے ضمن میں مولانا مودودیؒ نے "رہبانیت" پر ایک تاریخی اور عالمانہ نظر ڈالی ہے۔

نسیم غازی فلاحی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا رَهْبَانِيَّةَ فِى الْاِسْلَامِ ۰

(اسلام میں کوئی رہبانیت نہیں)

(مسند احمد)

اسلام اور رہبانیت

رہبانیت ایک غیر اسلامی چیز ہے اور یہ کبھی دین حق میں شامل نہیں رہی ہے۔ یہی بات ہے جو نبی ﷺ نے فرمائی ہے کہ لارھبانیة فی الاسلام (اسلام میں کوئی رہبانیت نہیں) (مسند احمد) ایک اور حدیث میں حضورؐ نے فرمایا: رھبانیة ھذه الامة الجھاد فی سبیل الله (اس امت کی رہبانیت جہاد فی سبیل اللہ ہے) (مسند احمد۔ مسند ابی یعلی) یعنی اس امت کے لیے روحانی ترقی کا راستہ ترک دنیا نہیں بلکہ اللہ کی راہ میں جہاد ہے، اور یہ امت فتنوں سے ڈر کر جنگلوں اور پہاڑوں کی طرف نہیں بھاگتی بلکہ راہ خدا میں جہاد کر کے ان کا مقابلہ کرتی ہے۔ بخاری و مسلم کی متفق علیہ روایت ہے کہ صحابہ میں سے ایک صاحب نے کہا میں ہمیشہ ساری رات نماز پڑھا کروں گا، دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا اور کبھی ناغہ نہ کروں گا، تیسرے نے کہا میں کبھی شادی نہ کروں گا اور عورت سے کوئی واسطہ نہ رکھوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ باتیں سنیں تو فرمایا: اما والله انی لاخشاکم لله واتقاکم له لکنی اصوم وافطر واصلی وارقد و اتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی۔ (خدا کی قسم میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرتا اور اس سے تقویٰ کرتا ہوں۔ مگر میرا طریقہ یہ ہے کہ روزہ رکھتا بھی ہوں اور نہیں بھی رکھتا، راتوں کو نماز

بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں' اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ جس کو میرا طریقہ پسند نہ ہو اس کا مجھ سے کوئی واسطہ نہیں۔)

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے لاتشددوا علیٰ انفسکم فیشدد اللہ علیکم فان قوما شددوا فشدد اللہ علیھم فتلك بقایاھم فی الصوامع والدیار (اپنے اوپر سختی نہ کرو کہ اللہ تم پر سختی کرے۔ ایک گروہ نے یہی تشدد اختیار کیا تھا تو اللہ نے بھی پھر اسے سخت پکڑا۔ دیکھ لو' وہ ان کے بقایا راہب خانوں اور کنیسوں میں موجود ہیں۔) (ابوداؤد)

رہبانیت اختیار کر کے عیسائی دہری غلطی میں مبتلا ہو گئے۔ ایک غلطی یہ کہ اپنے اوپر وہ پابندیاں عائد کیں جن کا اللہ نے کوئی حکم نہ دیا تھا۔ اور دوسری غلطی یہ کہ جن پابندیوں کو اپنے نزدیک اللہ کی خوشنودی کا ذریعہ سمجھ کر خود اپنے اوپر عائد کر بیٹھے تھے ان کا حق ادا نہ کیا اور وہ حرکتیں کیں جن سے اللہ کی خوشنودی کے بجائے الٹا اس کا غضب مول لے بیٹھے۔

اس مقام کو پوری طرح سمجھنے کے لیے ایک نظر مسیحی رہبانیت کی تاریخ پر ڈال لینی چاہیے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد دو سو سال تک عیسائی کلیسا رہبانیت سے ناآشنا تھا۔ مگر ابتداء ہی سے مسیحیت میں اس کے جراثیم پائے جاتے تھے اور وہ تخیلات اس کے اندر موجود تھے جو اس چیز کو جنم دیتے ہیں۔ ترک و تجرید کو اخلاقی آئیڈیل قرار دینا اور درویشانہ زندگی کو شادی بیاہ اور دنیوی کاروبار کی زندگی کے مقابلے میں اعلیٰ و افضل سمجھنا ہی رہبانیت کی بنیاد ہے، اور یہ دونوں چیزیں مسیحیت میں

ابتداء سے موجود تھیں۔ خصوصیت کے ساتھ تجرد کو تقدس کا ہم معنی سمجھنے کی وجہ سے کلیسا میں مذہبی خدمات انجام دینے والوں کے لئے یہ بات ناپسندیدہ خیال کی جاتی تھی کہ وہ شادی کریں، بال بچوں والے ہوں اور خانہ داری کے بکھیڑوں میں پڑیں اسی چیز نے تیسری صدی تک پہنچتے پہنچتے ایک فتنے کی شکل اختیار کرلی اور رہبانیت ایک وبا کی طرح مسیحیت میں پھیلنی شروع ہوئی۔ تاریخی طور پر اس کے تین بڑے اسباب تھے:

ایک یہ کہ قدیم مشرک سوسائٹی میں شہوانیت، بدکرداری اور دنیا پرستی جس شدت کے ساتھ پھیلی ہوئی تھی اس کا توڑ کرنے کے لئے عیسائی علماء نے اعتدال کی راہ اختیار کرنے کے بجائے انتہاپسندی کی راہ اختیار کی۔ انہوں نے عفت پر اتنا زور دیا کہ عورت اور مرد کا تعلق بجائے خود نجس قرار پا گیا، خواہ وہ نکاح ہی کی صورت میں ہو۔ انہوں نے دنیا پرستی کے خلاف اتنی شدت برتی کہ آخر کار ایک دین دار آدمی کے لئے سرے سے کسی قسم کی املاک رکھنا ہی گناہ بن گیا اور اخلاق کا معیار یہ ہو گیا کہ آدمی بالکل مفلس اور ہر لحاظ سے تارک الدنیا ہو۔ اسی طرح مشرک سوسائٹی کی لذت پرستی کے جواب میں وہ اس انتہا پر جا پہنچے کہ ترک لذات، نفس کو مارنا اور خواہشات کا قلع قمع کر دینا اخلاق کا مقصود بن گیا، اور طرح طرح کی ریاضتوں سے جسم کو اذیتیں دینا آدمی کی روحانیت کا کمال اور اس کا ثبوت سمجھا جانے لگا۔

دوسرے یہ کہ مسیحیت جب کامیابی کے دور میں داخل ہو کر عوام میں پھیلنی شروع ہوئی تو اپنے مذہب کی توسیع واشاعت کے شوق میں کلیسا ہر اس برائی کو اپنے دائرے میں داخل کرتا چلا گیا جو عام لوگوں میں مقبول تھی۔ اولیاء پرستی نے

قدیم معبودوں کی جگہ لے لی۔ ہورس (HORUS) اور آئسس (ISIS) کے مجسموں کی جگہ مسیح اور مریم کے بت پوجے جانے لگے۔ سیٹرنیلیا (SATURNALIA) کی جگہ کرسمس کا تہوار منایا جانے لگا۔ قدیم زمانے کے تعویز گنڈے، عملیات، فال گیری وغیب گوئی، جن بھوت بھگانے کے عمل، سب عیسائی درویشوں نے شروع کر دیے۔ اسی طرح چونکہ عوام اس شخص کو خدا رسیدہ سمجھتے تھے جو گندا اور ننگا ہو اور کسی بھٹ یا کھوہ میں رہے، اس لئے عیسائی کلیسا میں ولایت کا یہی تصور مقبول ہو گیا اور ایسے ہی لوگوں کی کرامتوں کے قصوں سے عیسائیوں کے ہاں تذکرۃ الاولیاء قسم کی کتابیں لبریز ہو گئیں۔

تیسرے یہ کہ عیسائیوں کے پاس دین کی سرحدیں متعین کرنے کے لیے کوئی مفصل شریعت اور کوئی واضح سنت موجود نہ تھی۔ شریعت موسوی کو وہ چھوڑ چکے تھے، اور تنہا انجیل کے اندر کوئی مکمل ہدایت نامہ نہ پایا جاتا تھا۔ اس لیے مسیحی علماء کچھ دہرے فلسفوں اور طور طریقوں سے متاثر ہو کر اور کچھ خود اپنے رجحانات کی بنا پر طرح طرح کی بدعتیں دین میں داخل کرتے چلے گئے۔ رہبانیت بھی انہی بدعتوں میں سے ایک تھی۔ مسیحی مذہب کے علماء اور ائمہ نے اس کا فلسفہ اور اس کا طریق کار بدھ مذہب کے بھکشوؤں سے، ہندو جوگیوں اور سنیاسیوں سے، قدیم مصری فقرا (ANCHORITES) سے، ایران کے مانویوں سے، اور افلاطون اور فلاطینوس کے پیرو شراقیوں سے اخذ کیا اور اسی کو تزکیۂ نفس کا طریقہ، روحانی ترقی کا ذریعہ، اور تقرب الی اللہ کا وسیلہ قرار دے لیا۔ اس غلطی کے مرتکب کوئی معمولی درجہ کے لوگ نہ تھے۔ تیسری صدی سے ساتویں صدی عیسوی (یعنی نزول قرآن کے زمانے)

تک جو لوگ مشرق اور مغرب میں مسیحیت کے اکابر علماء بزرگ ترین پیشوا اور امام مانے جاتے ہیں، سینٹ اتھاناسیوس، سینٹ باسل، سینٹ گریگوری نازیانزین، سینٹ کرائی سوسٹم سینٹ امبروز، سینٹ جیروم، سینٹ آگسٹائن، سینٹ بینڈِکٹ، گریگوری اعظم، سب کے سب خود راہب اور رہبانیت کے زبردست علمبردار تھے۔ انہی کی کوششوں سے کلیسا میں رہبانیت نے رواج پایا۔

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیوں میں رہبانیت کا آغاز مصر سے ہوا۔ اس کا بانی سینٹ اینتھنی (ST. ANTHONY) تھا جو ۲۵۰ء میں پیدا ہوا اور ۳۵۰ء میں دنیا سے رخصت ہوا۔ اسے پہلا مسیحی راہب قرار دیا جاتا ہے۔ اس نے فیوم کے علاقے میں پسپیر کے مقام پر (جواب دَیرالمیمون کے نام سے معروف ہے) پہلی خانقاہ قائم کی ۔ اس کے بعد دوسری خانقاہ اس نے بحر احمر کے ساحل پر قائم کی جسے اب دَیر مار اَنطونیوس کہا جاتا ہے۔ عیسائیوں میں رہبانیت کے بنیادی قواعد اسی کی تحریروں اور ہدایات سے ماخوذ ہیں۔ اس آغاز کے بعد یہ سلسلہ مصر میں سیلاب کی طرح پھیل گیا اور جگہ جگہ راہبوں اور راہبات کے لیے خانقاہیں قائم ہو گئیں جن میں سے بعض میں تین تین ہزار راہب بیک وقت رہتے تھے۔ ۳۲۵ء میں مصر ہی کے اندر ایک اور مسیحی ولی پاخومیوس نمودار ہوا جس نے دس بڑی خانقاہیں راہبین و راہبات کے لئے بنائیں۔ اس کے بعد یہ سلسلہ شام و فلسطین اور افریقہ و یورپ کے مختلف ملکوں میں پھیلتا چلا گیا۔ کلیسائی نظام کو اوّل اوّل اس رہبانیت کے معاملہ میں سخت الجھن سے سابقہ پیش آیا، کیونکہ وہ ترک دنیا اور تجرد اور غریبی و مفلسی کو روحانی زندگی کا آئیڈیل تو سمجھتا تھا، مگر راہبوں کی طرح شادی بیاہ اور اولاد پیدا کرنے اور ملکیت رکھنے کو گناہ

بھی نہ ٹھہر اسکتا تھا۔ بالآخر سینٹ اتھاناسیوس (متوفی ۳۷۳ء) سینٹ باسل (متوفی ۳۷۹) سینٹ آگسٹائن (متوفی ۴۳۰ء) اور گریگوری اعظم (متوفی ۶۰۹ء) جیسے لوگوں کے اثر سے رہبانیت کے بہت سے قواعد چرچ کے نظام میں باقاعدہ داخل ہو گئے۔

اس راہبانہ بدعت کی چند خصوصیات تھیں جنہیں ہم اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

(۱) سخت ریاضتوں اور نت نئے طریقوں سے اپنے جسم کو اذیتیں دینا۔ اس معاملہ میں ہر راہب دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتا تھا۔ عیسائی اولیاء کے تذکروں میں ان لوگوں کے جو کمالات بیان کئے گئے ہیں وہ کچھ اس قسم کے ہیں: اسکندریہ کا سینٹ مکاریوس ہر وقت اپنے جسم پر ۸۰ پونڈ کا بوجھ اٹھائے رکھتا تھا۔ ۶ مہینے تک وہ ایک دلدل میں سوتا رہا اور زہریلی مکھیاں اس کے برہنہ جسم کو کاٹتی رہیں۔ اس کے مرید سینٹ یوسیبیوس نے پیر سے بھی بڑھ کر ریاضت کی۔ وہ ۱۵۰ پونڈ کا بوجھ اٹھائے پھرتا تھا اور ۳ سال تک ایک خشک کنوئیں میں پڑا رہا۔ سینٹ سابیوس صرف وہ مکئی کھاتا تھا جو مہینہ بھر پانی میں بھیگ کر بدبودار ہو جاتی تھی۔ سینٹ بیساریون ۴۰ دن تک خاردار جھاڑیوں میں پڑا رہا اور ۴۰ سال تک اس نے زمین کو پیٹھ نہیں لگائی۔ سینٹ پاخومیوس نے ۱۵ سال، اور ایک روایت کے مطابق پچاس سال زمین کو پیٹھ لگائے بغیر گزار دیے۔ ایک ولی سینٹ جان تین سال تک عبادت میں کھڑا رہا۔ اس پوری مدت میں وہ نہ کبھی بیٹھا نہ لیٹا۔ آرام کے لیے بس ایک چٹائی کا سہارا لے لیتا تھا اور اس کی غذا صرف وہ تبرک تھا جو ہر اتوار کو اس کے لیے لایا جاتا تھا۔ سینٹ سیمیون اسٹائلاٹ (۳۹۰ء۔۴۴۹ء) جو عیسائیوں کے اولیائے کبار میں شمار ہوتا ہے، ہر ایسٹر

سے پہلے پورے چالیس دن فاقہ کرتا تھا۔ ایک دفعہ وہ پورے ایک سال تک ایک ٹانگ پر کھڑا رہا۔ بسا اوقات وہ اپنی خانقاہ سے نکل کر ایک کنوئیں میں جا رہتا تھا۔ آخر کار اس نے شمالی شام کے قلعہ سیمان کے قریب ۶۰ فٹ بلند ایک ستون بنوایا جس کا بالائی حصہ صرف تین فٹ کے گھیرے میں تھا اور اوپر کٹہرا بنا دیا گیا تھا۔ اس ستون پر اس نے پورے تیس سال گزار دیے۔ (دھوپ، بارش، سردی، گرمی سب اس پر سے گزرتی رہتی تھیں اور وہ کبھی ستون سے نہ اترتا تھا۔ اس کے مرید سیڑھی لگا کر اس کو کھانا پہنچاتے اور اس کی گندگی صاف کرتے تھے۔ پھر اس نے ایک رسی لے کر اپنے آپ کو اس ستون سے باندھ لیا یہاں تک کہ رسی اس کے گوشت میں پیوست ہو گئی، گوشت سڑ گیا اور اس میں کیڑے پڑ گئے۔ جب کوئی کیڑا اس کے پھوڑوں سے گر جاتا تو وہ اسے اٹھا کر پھر پھوڑے ہی میں رکھ لیتا اور کہتا "کھا جو کچھ خدا نے تجھے دیا ہے"۔ مسیحی عوام دور دور سے اس کی زیارت کے لئے آتے تھے۔ جب وہ مرا تو مسیحی عوام کا فیصلہ یہ تھا کہ وہ عیسائی ولی کی بہترین مثال تھا۔

اس دور کے عیسائی اولیاء کی جو خوبیاں بیان کی گئی ہیں وہ ایسی ہی مثالوں سے بھری پڑی ہیں۔ کسی ولی کی تعریف یہ تھی کہ ۳۰ سال تک وہ بالکل خاموش رہا اور کبھی اسے بولتے نہ دیکھا گیا۔ کسی نے اپنے آپ کو ایک چٹان سے باندھ رکھا تھا۔ کوئی جنگلوں میں مارا مارا پھرتا اور گھاس پھوس کھا کر گزارا کرتا۔ کوئی بھاری بوجھ ہر وقت اٹھائے پھرتا۔ کوئی طوق و سلاسل سے اپنے اعضاء جکڑے رکھتا۔ کچھ حضرات جانوروں کے بھٹوں، یا خشک کنوؤں، یا پرانی قبروں میں رہتے تھے۔ اور کچھ دوسرے بزرگ ہر وقت ننگے رہتے اور اپنا ستر اپنے لمبے لمبے بالوں سے چھپاتے اور زمین پر

رینگ کر چلتے تھے۔ ایسے ہی ولیوں کی کرامات کے چرچے ہر طرف پھیلے ہوئے تھے اور ان کے مرنے کے بعد ان کی ہڈیاں خانقاہوں میں محفوظ رکھی جاتی تھیں۔ میں نے خود کوہ سینا کے نیچے سینٹ کیتھرائن کی خانقاہ میں ایسی ہی ہڈیوں کی ایک پوری لائبریری سجی ہوئی دیکھی ہے جس میں کہیں اولیاء کی کھوپڑیاں قرینے سے رکھی ہوئی تھیں' کہیں پاؤں کی ہڈیاں، اور کہیں ہاتھوں کی ہڈیاں۔ اور ایک ولی کا تو پورا ڈھانچہ ہی شیشے کی ایک الماری میں رکھا ہوا تھا۔

(۲) ان کی دوسری خصوصیت یہ تھی کہ وہ ہر وقت گندے رہتے اور صفائی سے سخت پرہیز کرتے تھے۔ نہانا یا جسم کو پانی لگانا ان کے نزدیک خدا پرستی کے خلاف تھا۔ جسم کی صفائی کو وہ روح کی نجاست سمجھتے تھے۔ سینٹ اتھاناسیوس بڑی عقیدت کے ساتھ سینٹ اَینتھنی کی یہ خوبی بیان کرتا ہے کہ اس نے مرتے دم تک کبھی اپنے پاؤں نہیں دھوئے۔ سینٹ ابراہام جب سے داخل مسیحیت ہوا' پورے ۵۰ سال اس نے نہ منہ دھویا نہ پاؤں۔ ایک مشہور راہبہ کنواری سلوِیا نے عمر بھر اپنی انگلیوں کے سوا جسم کے کسی حصے کو پانی نہیں لگنے دیا۔ ایک کانوینٹ کی ۱۳۰ راہبات کی تعریف میں لکھا ہے کہ انھوں نے کبھی اپنے پاؤں نہیں دھوئے، اور غسل کا تو نام سن کر ہی ان کے بدن پر لرزہ چڑھ جاتا تھا۔

(۳) اس رہبانیت نے ازدواجی زندگی کو عملاً بالکل حرام کر دیا اور نکاح کے رشتے کو کاٹ پھینکنے میں سخت بے دردی سے کام لیا۔ چوتھی اور پانچویں صدی کی تمام مذہبی تحریریں اس خیال سے بھری ہوئی ہیں کہ تجرد سب سے بڑی اخلاقی قدر ہے، اور عفت کے معنی یہ ہیں کہ آدمی جنسی تعلق سے قطعی احتراز کرے خواہ وہ

میاں اور بیوی کا تعلق ہی کیوں نہ ہو۔پاکیزہ روحانی زندگی کا کمال یہ سمجھا جاتا تھا کہ آدمی اپنے نفس کو بالکل مار دے اور اس میں جسمانی لذت کی کوئی خواہش تک باقی نہ چھوڑے ان لوگوں کے نزدیک خواہش کو مار دینا اِس لیے ضروری تھا کہ اس سے حیوانیت کو تقویت پہنچتی تھی۔ان کے نزدیک لذت اور گناہ ہم معنیٰ تھے، حتّٰی کہ مسرت بھی ان کی نگاہ میں خدا فراموشی کی مترادف تھی۔ سینٹ باسل ہنسنے اور مسکرانے تک کو ممنوع قرار دیتا ہے، ان ہی تصورات کی بناپر عورت اور مرد کے درمیان شادی کا تعلق ان کے ہاں قطعی نجس قرار پا گیا تھا۔راہب کے لیے ضروری تھا کہ وہ شادی کرنا تو درکنار، عورت کی شکل تک نہ دیکھے،اور شادی شدہ ہو تو بیوی کو چھوڑ کر نکل جائے۔مردوں کی طرح عورتوں کے دل میں بھی یہ بات بٹھائی گئی تھی کہ وہ اگر آسمانی بادشاہت میں داخل ہونا چاہتی ہیں تو ہمیشہ کنواری رہیں،اور شادی شدہ ہوں تو اپنے شوہروں سے الگ ہو جائیں۔ سینٹ جیروم جیسا ممتاز مسیحی عالم کہتا ہے کہ جو عورت مسیح کی خاطر راہبہ بن کر ساری عمر کنواری رہے وہ مسیح کی دلہن ہے اور اس عورت کی ماں کو خدا، یعنی مسیح کی ساس(MOTHER INLAW OF GOD)ہونے کا شرف حاصل ہے۔ایک اور مقام پر سینٹ جیروم کہتا ہے کہ "عفت کی کلہاڑی سے ازدواجی تعلق کی لکڑی کو کاٹ پھینکنا سالک کا اولین کام ہے" ان تعلیمات کی وجہ سے مذہبی جذبہ طاری ہونے کے بعد ایک مسیحی مرد یا ایک مسیحی عورت پر اس کا پہلا اثر یہ ہوتا تھا کہ اس کی خوش گوار ازدواجی زندگی ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتی تھی۔اور چونکہ مسیحیت میں طلاق و تفریق کا راستہ بند تھا،اس لئے نکاح کے رشتے میں رہتے ہوئے میاں اور بیوی ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے تھے سینٹ نائلس(ST.NILUS)

دو بچوں کا باپ تھا۔ جب اس پر رہبانیت کا دورہ پڑا تو اس کی بیوی روتی رہ گئی اور وہ اس سے الگ ہو گیا سینٹ امون (ST. AMMON) نے شادی کی پہلی رات ہی اپنی دلہن کو ازدواجی تعلق کی نجاست پر وعظ سنایا اور دونوں نے بالاتفاق طے کر لیا کہ جیتے جی ایک دوسرے سے الگ رہیں گے۔ سینٹ ابراہام شادی کی پہلی رات ہی اپنی بیوی کو چھوڑ کر فرار ہو گیا۔ یہی حرکت سینٹ ایلیکس (ST. ALEXIS) نے کی اس طرح کے واقعات سے عیسائی اولیاء کے تذکرے بھرے پڑے ہیں۔

کلیسا کا نظام تین صدیوں تک اپنے حدود میں ان انتہا پسندانہ تصورات کی کسی نہ کسی طرح مزاحمت کرتا رہا۔ اس زمانے میں ایک پادری کے لیے مجرد ہونا لازم نہ تھا اگر اس نے پادری کے منصب پر فائز ہونے سے پہلے شادی کر رکھی ہو تو وہ بیوی کے ساتھ رہ سکتا تھا، البتہ تقرر کے بعد شادی کرنا اس کے لیے ممنوع تھا۔ نیز کسی ایسے شخص کو پادری مقرر نہیں کیا جا سکتا تھا جس نے کسی بیوہ یا مطلقہ سے شادی کی ہو یا جس کے دو بیویاں ہوں، یا جس کے گھر میں لونڈی ہو رفتہ رفتہ چوتھی صدی میں یہ خیال پوری طرح زور پکڑ گیا کہ جو شخص کلیسا میں مذہبی خدمات انجام دیتا ہو اس کے لئے شادی شدہ ہونا بڑی گھناؤنی بات ہے۔ ۳۶۲ء کی گنگرا کونسل (COUN-CIL OF GENGRA) آخری مجلس تھی جس میں اس طرح کے خیالات کو خلاف مذہب ٹھہرا لیا گیا۔ مگر اس کے تھوڑی ہی مدت بعد ۳۸۶ء کی رومن سیناڈ (SYNOD) نے تمام پادریوں کو مشورہ دیا کہ وہ ازدواجی تعلقات سے کنارہ کش رہیں، اور دوسرے سال پوپ سائیریکس (SIRICIUS) نے حکم دیا کہ جو پادری شادی کرے، یا شادی ہونے کی صورت میں اپنی بیوی سے تعلق رکھے، اس کو منصب سے معزول

کر دیا جائے۔ سینٹ جیروم' سینٹ امبروز، اور سینٹ آگسٹائن جیسے اکابر علماء نے بڑے زور شور سے اس فیصلے کی حمایت کی اور تھوڑی سی مزاحمت کے بعد مغربی کلیسا میں پوری شدت کے ساتھ نافذ ہو گیا۔ اس دور میں متعدد کونسلیں ان شکایات پر غور کرنے کے لئے منعقد ہوئیں کہ جو لوگ پہلے شادی شدہ تھے وہ مذہبی خدمات پر مقرر ہونے کے بعد بھی اپنی بیویوں کے ساتھ "ناجائز" تعلقات رکھتے ہیں۔ آخر کار ان کی اصلاح کے لئے یہ قواعد بنائے گئے کہ وہ کھلے مقامات پر سوئیں، اپنی بیویوں سے کبھی علحدگی میں نہ ملیں، اور ان کی ملاقات کے وقت کم از کم دو آدمی موجود ہوں۔ سینٹ گریگوری ایک پادری کی تعریف میں لکھتا ہے کہ ۴۰ سال تک وہ اپنی بیوی سے الگ رہا حتیٰ کہ مرتے وقت جب اس کی بیوی اس کے قریب گئی تو اس نے کہا، عورت، دور ہٹ جا۔

(۴) سب سے زیادہ دردناک باب اس رہبانیت کا یہ ہے کہ اس نے ماں، باپ، بھائی بہنوں اور اولاد تک سے آدمی کا رشتہ کاٹ دیا۔ مسیحی ولیوں کی نگاہ میں بیٹے کے لئے ماں باپ کی محبت، بھائی کے لیے بھائی بہنوں کی محبت اور باپ کے لیے اولاد کی محبت بھی ایک گناہ تھی ان کے نزدیک روحانی ترقی کے لیے یہ ناگزیر تھا کہ آدمی ان سارے تعلقات کو توڑ دے۔ مسیحی اولیاء کے تذکروں میں اس کے ایسے ایسے دل دوز واقعات ملتے ہیں جنہیں پڑھ کر انسان کے لیے ضبط کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

اک راہب ایواگریس (EVAGRIUS) سالہا سال سے صحرا میں ریاضتیں کر رہا تھا۔ ایک روز یکایک اس کے پاس اس کی ماں اور اس کے باپ کے خطوط پہنچے جو برسوں سے اس کی جدائی میں تڑپ رہے تھے۔ اسے اندیشہ ہوا کہ کہیں ان خطوں کو پڑھ کر اس

کے دل میں انسانی محبت کے جذبات نہ جاگ اٹھیں۔ اس نے ان کو کھولے بغیر فوراً آگ میں جھونک دیا۔ سینٹ تھیوڈورس کی ماں اور بہن بہت سے پادریوں کے سفارشی خطوط لے کر اس خانقاہ میں پہنچیں جس میں وہ مقیم تھا اور خواہش کی کہ وہ صرف ایک نظر بیٹے اور بھائی کو دیکھ لیں۔ مگر اس نے ان کے سامنے آنے تک سے انکار کر دیا۔ سینٹ مارکس (ST.MARCUS) کی ماں اس سے ملنے کے لئے اس کی خانقاہ میں گئی اور خانقاہ کے شیخ (ABBOT) کی خوشامدیں کر کے اس کو راضی کر لیا کہ وہ بیٹے کو ماں کے سامنے آنے کا حکم دے۔ مگر بیٹا کسی طرح ماں سے نہ ملنا چاہتا تھا۔ آخر کار اس نے شیخ کے حکم کی تعمیل اس طرح کی کہ بھیس بدل کر ماں کے سامنے گیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ اس طرح نہ ماں نے بیٹے کو پہچانا، نہ بیٹے نے ماں کی شکل دیکھی۔ ایک اور ولی سینٹ پوئمن (ST.POEMEN) اور اس کے ۶ بھائی مصر کی ایک صحرائی خانقاہ میں رہتے تھے۔ برسوں بعد ان کی بوڑھی ماں کو ان کا پتہ معلوم ہوا اور وہ ان سے ملنے کے لئے وہاں پہنچی۔ بیٹے ماں کو دور سے دیکھتے ہی بھاگ کر اپنے حجرے میں چلے گئے اور دروازہ بند کر لیا۔ ماں باہر بیٹھ کر رونے لگی اور اس نے چیخ چیخ کر کہا میں اس بڑھاپے میں اتنی دور چل کر صرف تمہیں دیکھنے آئی ہوں، تمہارا کیا نقصان ہوگا اگر میں تمہاری شکلیں دیکھ لوں۔ کیا میں تمہاری ماں نہیں ہوں؟ مگر ان ولیوں نے دروازہ نہ کھولا اور ماں سے کہہ دیا کہ ہم تجھ سے خدا کے ہاں ملیں گے۔ اس سے بھی زیادہ دردناک قصہ سینٹ سیمیون اسٹائلائٹس (ST.SIMEON STYLITES) کا ہے جو ماں باپ کو چھوڑ کر ۲۷ سال غائب رہا۔ باپ اس کے غم میں مر گیا۔ ماں زندہ تھی۔ بیٹے کی ولایت کے چرچے جب دور و نزدیک پھیل گئے تو اس کو پتہ چلا کہ وہ کہاں ہے

بے چاری اس سے ملنے کے لئے اس کی خانقاہ پر پہنچی۔ مگر وہاں کسی عورت کو داخلے کی اجازت نہ تھی۔ اس نے لاکھ منت سماجت کی کہ بیٹا یا تو اسے اندر بلالے یا باہر نکل کر اپنی صورت دکھا دے۔ مگر اس "ولی اللہ" نے صاف انکار کر دیا تین رات اور تین اور تین دن وہ خانقاہ کے دروازے پر پڑی رہی اور آخر کار وہیں لیٹ کر اس نے جان دے دی۔ تب ولی صاحب نکل کر آئے۔ ماں کی لاش پر آنسو بہائے اور اس کی مغفرت کے لئے دعا دی۔

ایسی ہی بے دردی ان ولیوں نے بہنوں کے ساتھ اور اپنی اولاد کے ساتھ برتی۔ ایک میوٹیئس (MUTIUS) کا قصہ لکھا ہے کہ وہ خوش حال آدمی تھا۔ یکایک اس پر مذہبی جذبہ طاری ہوا اور وہ اپنے ۸ سال کے اکلوتے بیٹے کو لے کر ایک خانقاہ میں جا پہنچا۔ وہاں اس کی روحانی ترقی کے لئے ضروری تھا کہ وہ بیٹے کی محبت دل سے نکال دے۔ اس لئے پہلے تو بیٹے کو اس سے جدا کر دیا گیا۔ پھر اس کی آنکھوں کے سامنے ایک مدت تک طرح طرح کی سختیاں اس معصوم بچے پر کی جاتی رہیں اور وہ سب کچھ دیکھتا رہا۔ پھر خانقاہ کے شیخ نے اسے حکم دیا کہ اسے لے جا کر اپنے ہاتھ سے دریا میں پھینک دے۔ جب وہ اس حکم کی تعمیل کے لیے بھی تیار ہو گیا تو عین اس وقت راہبوں نے بچے کی جان بچائی جب وہ اسے دریا میں پھینکنے لگا تھا۔ اس کے بعد تسلیم کر لیا گیا کہ وہ واقعی مرتبہ ولایت کو پہنچ گیا ہے۔

مسیحی رہبانیت کا نقطۂ نظر ان معاملات میں یہ تھا کہ جو شخص خدا کی محبت چاہتا ہو اسے انسانی محبت کی وہ ساری زنجیریں کاٹ دینی چاہییں جو دنیا میں اس کو اپنے والدین، بھائی بہنوں اور بال بچوں کے ساتھ باندھتی ہیں۔ سینٹ جیروم کہتا ہے کے

"اگرچہ تیرا بھتیجا تیرے گلے میں بانہیں ڈال کر تجھ سے لپٹے، اگرچہ تیری ماں تجھے اپنے دودھ کا واسطہ دے کر روکے، اگرچہ تیرا باپ تجھے روکنے کے لئے آگے لیٹ جائے، پھر بھی تو سب کو چھوڑ کر اور باپ کے جسم کو روند کر ایک آنسو بہائے بغیر صلیب کے جھنڈے کی طرف دوڑ جا۔ اس معاملہ میں بے رحمی ہی تقویٰ ہے۔" سینٹ گریگوری لکھتا ہے کہ "ایک نوجوان راہب ماں باپ کی محبت دل سے نہ نکال سکا اور ایک رات چپکے سے بھاگ کر ان سے مل آیا۔ خدا نے اس قصور کی سزا اسے دی کہ خانقاہ واپس پہنچتے ہی وہ مر گیا۔ اس کی لاش زمین میں دفن کی گئی تو زمین نے اسے قبول نہ کیا۔ بار بار قبر میں ڈالا جاتا اور زمین اسے نکال کر پھینک دیتی۔ آخر کار سینٹ بینڈکٹ نے اس کے سینے پر تبرک رکھا تب قبر نے اسے قبول کیا۔" ایک راہبہ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ مرنے کے بعد تین دن عذاب میں اس لیے مبتلا رہی کہ وہ اپنی ماں کی محبت دل سے نہ نکال سکی تھی۔ ایک ولی کی تعریف میں لکھا ہے کہ اس نے کبھی اپنے رشتہ داروں کے سوا کسی کے ساتھ بے دردی نہیں برتی۔

(۵) اپنے قریب ترین رشتہ داروں کے ساتھ بے رحمی، سنگدلی اور قساوت برتنے کی جو مشق یہ لوگ کرتے تھے اس کی وجہ سے ان کے انسانی جذبات مر جاتے تھے اور اسی کا نتیجہ تھا کہ جن لوگوں سے انہیں مذہبی اختلاف ہوتا تھا ان کے مقابلے میں یہ ظلم و ستم کی انتہا کر دیتے تھے۔ چوتھی صدی تک پہنچتے پہنچتے مسیحیت میں ۸۰۔۹۰ فرقے پیدا ہو چکے تھے۔ سینٹ آگسٹائن نے اپنے زمانہ میں ۸۸ فرقے گنائے ہیں۔ یہ فرقے ایک دوسرے کے خلاف سخت نفرت رکھتے تھے۔ اس نفرت کی آگ کو بھڑکانے والے بھی راہب تھے اور اس آگ میں مخالف گروہوں کو جلا کر خاک

کر دینے کی کوششوں میں بھی راہب ہی پیش پیش ہوتے تھے۔ اسکندریہ اس فرقہ وارانہ کشمکش کا ایک بڑا اکھاڑا تھا۔ وہاں پہلے ایرین (ARIAN) فرقے کے بشپ نے اتھاناسیوس کی پارٹی پر حملہ کیا، اس کی خانقاہوں کے کنواری راہبات پکڑ پکڑ کر نکالی گئیں، ان کو ننگا کر کے خار دار شاخوں سے پیٹا گیا اور ان کے جسم پر داغ لگائے گئے تا کہ وہ اپنے عقیدے سے توبہ کریں۔ پھر جب مصر میں کیتھولک گروہ کو غلبہ حاصل ہوا تو اس نے ایرین فرقے کے خلاف یہی سب کچھ کیا، حتیٰ کہ غالب خیال یہ ہے کہ خود ایریس (ARIUS) کو بھی زہر دے کر مار دیا گیا۔ اسی اسکندریہ میں ایک مرتبہ سینٹ سائرل (ST. SYRIL) کے مرید راہبوں نے ہنگامۂ عظیم برپا کیا، یہاں تک کہ مخالف فرقے کی ایک راہبہ کو پکڑ کر اپنے کلیسا میں لے گئے، اسے قتل کیا، اس کی لاش کی بوٹی بوٹی نوچ ڈالی اور پھر اسے آگ میں جھونک دیا۔ روم کا حال بھی اس سے کچھ مختلف نہ تھا۔ ۳۶۶ء میں پوپ لیبریس (LIBERIUS) کی وفات پر دو گروہوں نے پاپائی کے لئے اپنے اپنے امیدوار کھڑے کیے۔ دونوں کے درمیان سخت خونریزی ہوئی حتیٰ کہ ایک دن میں صرف ایک چرچ سے ۱۳۷ لاشیں نکالی گئیں۔

(۶) اس ترک و تجرید اور فقر و درویشی کے ساتھ دولت دنیا سمیٹنے میں بھی کمی نہ کی گئی۔ پانچویں صدی کے آغاز ہی میں حالت یہ ہو چکی تھی کہ روم کا بشپ بادشاہوں کی طرح اپنے محل میں رہتا تھا اور اس کی سواری جب شہر میں نکلتی تھی تو اس کے ٹھاٹھ باٹھ قیصر کی سواری سے کم نہ ہوتے تھے۔ سینٹ جیروم اپنے زمانے (چوتھی صدی کے آخر دور) میں شکایت کرتا ہے کہ بہت سے بشپوں کی دعوتیں اپنی شان میں گورنروں کی دعوتیں کو شرماتی ہیں۔ خانقاہوں اور کنیسوں کی طرف دولت کا

یہ بہاؤ ساتویں صدی (نزول قرآن کے زمانے) تک پہنچتے پہنچتے سیلاب کی شکل اختیار کر چکا تھا۔ یہ بات عوام کے ذہن نشین کرادی گئی تھی کہ جس کسی سے کوئی گناہ عظیم سرزد ہو جائے اس کی بخشش کسی نہ کسی ولی کی درگاہ پر نذرانے چڑھانے، یا کسی خانقاہ یا چرچ کو بھینٹ دینے ہی سے ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد وہی دنیا راہبوں کے قدموں میں آرہی جس سے فرار ان کا طرۂ امتیاز تھا، خاص طور پر جو چیز اس تنزل کی موجب ہوئی وہ یہ تھی کہ راہبوں کی غیر معمولی ریاضتیں اور ان کی نفس کشی کے کمالات دیکھ کر جب عوام میں ان کے لیے بے پناہ عقیدت پیدا ہو گئی تو بہت سے دنیا پرست لوگ لباس درویشی پہن کر راہبوں کے گروہ میں داخل ہو گئے اور انہوں نے ترک دنیا کے بھیس میں جلب دنیا کا کاروبار ایسا چمکایا کہ بڑے بڑے طالبین دنیا ان سے مات کھا گئے۔

(۷) عفت کے معاملہ میں بھی فطرت سے لڑ کر رہبانیت نے بارہا شکست کھائی اور جب شکست کھائی تو بری طرح کھائی۔ خانقاہوں میں نفس کشی کی کچھ مشقیں ایسی بھی تھیں جن میں راہب اور راہبات مل کر ایک ہی جگہ رہتے تھے اور بسا اوقات ذرا زیادہ مشق کرنے کے لیے ایک ہی بستر پر رات گزارتے تھے۔ مشہور راہب سینٹ ایوا گریس (ST. EVAGRIUS) بڑی تعریف کے ساتھ فلسطین کے ان راہبوں کے ضبط نفس کا ذکر کرتا ہے جو "اپنے جذبات پر اتنا قابو پا گئے تھے کہ عورتوں کے ساتھ یک جا غسل کرتے تھے اور ان کی دید سے، ان کے لمس سے، حتیٰ کہ ان کے ساتھ ہم آغوشی سے بھی ان کے اوپر فطرت غلبہ نہ پاتی تھی۔" غسل اگرچہ رہبانیت میں سخت ناپسندیدہ تھا مگر نفس کشی کی مشق کے لیے اس طرح کے غسل بھی

کر لیے جاتے تھے۔ آخر کار اسی فلسطین کے متعلق نیسا (NYSSA) کا سینٹ گریگوری متوفی ۳۹۶ء لکھتا ہے کہ وہ بدکرداری کا اڈا بن گیا ہے۔ انسانی فطرت کبھی ان لوگوں سے انتقام لیے بغیر نہیں رہتی جو اس سے جنگ کریں۔ رہبانیت اس سے لڑ کر بالآخر بداخلاقی کے جس گڑھے میں جا گری اس کی داستان آٹھویں صدی سے گیارہویں صدی عیسوی تک کی مذہبی تاریخ کا بدنماترین داغ ہے۔ دسویں صدی کا ایک اطالوی بشپ لکھتا ہے کہ "اگر چرچ میں مذہبی خدمات انجام دینے والوں کے خلاف بدچلنی کی سزائیں نافذ کرنے کا قانون عملاً جاری کر دیا جائے تو لڑکوں کے سوا کوئی سزا سے نہ بچ سکے گا، اور اگر حرامی بچوں کو بھی مذہبی خدمات سے الگ کر دینے کا قاعدہ نافذ کیا جائے تو شاید چرچ کے خادموں میں کوئی لڑکا تک باقی نہ رہے۔" قرون وسطیٰ کے مصنفین کی کتابیں ان شکایتوں سے بھری ہوئی ہیں کہ راہبات کی خانقاہیں بداخلاقی کے چکلے بن گئی ہیں، ان کی چار دیواریوں میں نوزائیدہ بچوں کا قتل عام ہو رہا ہے، پادریوں اور چرچ کے مذہبی کارکنوں میں محرمات تک سے ناجائز تعلقات اور خانقاہوں میں خلاف وضع فطری جرائم تک پھیل گئے ہیں، اور کلیساؤں میں اعتراف گناہ (CONFES-SION) کی رسم بدکرداری کا ذریعہ بن کر رہ گئی ہے۔

ان تفصیلات سے صحیح طور پر اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید یہاں رہبانیت کی بدعت ایجاد کرنے اور پھر اس کا حق ادا نہ کرنے کا ذکر کر کے مسیحیت کے کس بگاڑ کی طرف اشارہ کر رہا ہے؟